بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

ابھی پوری ملتِ اسلامیہ اہلِ افغانستان کی عظیم مصیبت پر پریشان و مضطرب تھی جو تین سال سے سُرخ سامراج کی خوفناک جارحیت سے ٹکرا رہے ہیں کہ ادھر دوسری طرف امریکہ کی پشت پناہی سے اسرائیل نے لبنان میں پناہ گزین فلسطینیوں کو ایسی بہیمیت کا نشانہ بنایا کہ جس کی کوئی مثال دُور دُور تک نہیں ملتی[۱]۔ دونوں طرف تمام بین الاقوامی ضابطے اور سمجھوتے پامال ہو گئے، مسلّمہ انسانی حقوق غارت ہو گئے، مگر جدید تہذیب کی بنائی ہوئی دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں جو ظالم کے مقابلے پر مظلوم کی حمایت کے لیے عملاً کچھ کر سکے۔ حتیٰ کہ ادارۂ اقوام متحدہ بھی سوائے اس کے کچھ حیثیت نہیں رکھتا کہ یہ سپر پاورز کا ایک تفنّنی اسٹیج ہے جس میں وہ پُراسرار ڈرامے پیش کرتے ہیں ——— کبھی ایک ہیرو اور دوسرا ولن بنتا ہے اور کبھی دوسرا ہیرو اور پہلا ولن بنتا ہے۔ فلموں اور تفنّنی اسٹیجوں کے کردار پستول سے لیس ہوتے ہیں، مگر اقوام متحدہ کے ایکٹرز "ویٹو پاور" سے مسلّح ہیں۔ ایک کوئی طلسم بناتا ہے، دوسرا ویٹو کر دیتا ہے ——— دوسرا کوئی منصوبہ لے کے اُٹھتا ہے تو پہلا ویٹو کر دیتا ہے۔ دونوں نے ویٹو پاور کا جو استعمال پچھلے دس پندرہ سال سے کیا ہے، اگر اس کا تفصیلی جائزہ

---

[۱] لبنان میں ابتدائی چند دنوں ہی میں ۱۵ ہزار فلسطینی اور لبنانی مسلمان شہید ہو گئے۔ زخمیوں اور بے گھروں کی تعداد تو بے اندازہ ہے۔ اسرائیل نے جس بے رحمی سے فلسطینیوں اور عام مسلمان شہریوں، بلکہ عورتوں اور معصوم بچوں تک کو ایک ایک کر کے بھُونا ہے اُس سے قساوت کا نیا ریکارڈ تاریخ میں قائم ہوا ہے۔ اس ظلمِ بے پایاں کا حساب اسرائیل اور موجودہ عالمی سیاست و تہذیب کے خداوندوں کو دینا ہو گا۔

لیا جائے تو معاملہ مصر کا ہو یا کشمیر کا، افغانستان کا ہو یا فلسطین کا، ہمیشہ نقصان دنیائے اسلام کو پہنچتا ہے۔ اسی طرح جب کسی معاملہ میں یہ دونوں قوتیں مشترک مفاد کے تحت متحد ہو جاتی ہیں تو بھی معاملات مسلمانوں کے خلاف جاتے ہیں۔

آج اگرچہ اہل افغانستان کے ساتھ ساتھ اہلِ فلسطین کا مسئلہ ابھر کر سامنے آگیا ہے، مگر ہماری مصیبت کسی ایک مسئلے تک محدود نہیں ہے۔ ابھی تو سرزمینِ کابل میں، ارٹریا میں، صومالیہ، قبرص میں، جنوبی فلپائن میں اور بیروت میں مصائب کی ایک ایسی آتشیں زنجیر سے سابقہ ہے جس کا ایک سرا امریکہ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا روس کے ہاتھ میں۔ یہ دونوں طاقتیں آسیائے ظلم کے ایسے دو پاٹ ہیں کہ جن کے درمیان مسلمان پس رہے ہیں۔

پس اب جہاں ایک گونہ کوشش یہ ہونی چاہیے کہ اہلِ افغانستان اور اہلِ فلسطین کو جو بھی مدد دی جاسکتی ہو، وہ دی جائے، وہاں بھرپور توجہ اس مسئلے پر دینی چاہیے کہ ہم سُپر پاورز کی بنائی ہوئی چکی میں مسلسل پِستے رہنے سے کس طرح بچ سکتے ہیں۔

اور یہی اِس وقت موضوعِ گفتگو ہے۔

اصل بات کا مثبت طور پر آغاز کرنے سے پہلے ایک ضروری انتباہ!

نہایت ہی عجیب صورتِ حال ہے کہ اس مُلک کے وہ سیاسی کارکن اور ادیب و دانشور جو افغانستان کے مسلمانوں کی مظلومیت کا احساس نہ کرنے میں چٹانوں کی طرح سخت تھے، جن کا کہنا یہ تھا کہ ہمیں ابھی صورتِ حالات پوری طرح سمجھ میں نہیں آرہی ؛ اور جن کا عذر یہ بھی ہوتا تھا کہ یہ سیاسی جھگڑے ہیں، ان سے ہمارا کیا واسطہ۔ وہ لبنان میں اسرائیلی جارحیت پر اُچھل کھڑے ہوتے ہیں، انہیں اہلِ فلسطین کی تباہی کا کوئی غم نہیں، انہیں یہ خوشی ہے کہ ایک دورِ خلا کے بعد ایک موضوع مِل گیا ہے۔ جیسے قحط زدہ بستی پہ بارش برس جائے۔ اُن کی دلچسپی اس وجہ سے ہے

کہ اہلِ فلسطین (چھاپہ ماروں) میں کمیونسٹوں کا کیا ہوا برسوں کا کام اُن کے سامنے ہے، جارج حباش اور جنبلاط جیسے لیڈر اُن کے "چوہدری" ہیں لبنان میں فلسطینیوں کی آواز بلند کرنے کے لیے جو پبلسٹی مشینری کام کر رہی تھی اُس کے تحت افریشیائی تنظیم کا ایک رسالہ لوٹس (LOTUS) بھی نکلتا تھا جس کی ادارت کے لیے پاکستان سازش کیس کے نامور ہیرو جناب فیض احمد فیض کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ فیض صاحب فلسطینیوں کے سینے کمیونزم کے تیزاب سے دھوتے بھی تھے، مگر جب آزمائش کا لمحہ آیا تو وہ بیروت سے ماسکو جا پہنچے۔ اُوپر سے فلسطینیوں کی منافقانہ سرپرستی روس کی طرف سے ہو رہی تھی۔ منافقانہ اس لیے کہ آج فلسطینیوں کو بچانے کے لیے روس ضرورت سے دسواں حصّہ کم پارٹ بھی ادا نہیں کر رہا۔ وہ تو شروع سے اسرائیل کے استحکام میں امریکہ کا حصّہ دار ہے۔ ظاہر میں مخالفتِ امریکہ و اسرائیل ہوتی رہتی ہے، مگر اندر اندر اسرائیل کے لیے روس میں تیار شدہ سپاہیوں اور دانشوروں کا ایک ریلا برسوں سے چلا آ رہا ہے۔ نیز مسلمان ملکوں کی امداد اس طرح کی جاتی ہے کہ اثر اُلٹا ہو۔

روس کے لیے تو حادثۂ لبنان سرمایۂ عیش و مسرت ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے افغانستان میں اس کے جرمِ جارحیت کا پلڑا امریکہ و اسرائیل کے برابر ہو گیا ہے، بلکہ بڑے پیمانے کے اس تازہ سنگین حادثے کے غبار میں اس کی جارحیت کی کارروائی قدرے چھپ گئی ہے — اصل صورتِ حالات یہ ہے کہ دونوں سُپر پاورز میں بات یوں طے پا گئی ہے کہ لبنان میں امریکہ و اسرائیل جو چاہیں کر گزریں، تو روس تھوڑی بہت بیان بازی کے علاوہ کچھ نہیں کرے گا، اور دوسری طرف امریکہ کو اب حساب برابر کرنے کے لیے یہ ماننا پڑا ہے کہ افغانستان میں روس کو جو کچھ کرنا ہو وہ کرتا رہے، کوئی ٹھوس رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی (اور نہ پہلے کوئی تھی!) گویا معاملہ یوں پٹ ہوا کہ "لبنان تمہارا، افغانستان ہمارا"۔

بہرحال اب روسی "لائن" چونکہ یہ ہے کہ اہلِ فلسطین کی حمایت اور اسرائیل کی مخالفت میں پروپیگنڈے کا پورا زور صرف کر دیا جائے تاکہ مسئلہ افغانستان سے دُنیا کی اور خصوصاً مسلمانوں کی توجہ ہٹ سکے، اس وجہ سے باہر کے کمیونسٹوں کی طرح ہمارے یہاں کے کمیونسٹوں اور اُن کے حامی دانشوروں اور صحافیوں اور سیاسی کارکنوں نے میدان میں

اپنی پسندیدہ "پالیسی" کی گیند لڑھکا دی ہے۔ خصوصاً پیپلز پارٹی کے منتشر زیرِ پردہ دگان اور ایم آر ڈی کے سربراہان فلسطین کے درد میں تڑپ رہے ہیں۔ نمونہ ان کا یہ ہے کہ ہمیں اور ہمارے کارکنوں کو لبنان بھجوایا جائے۔ چندہ بھی ہو رہا ہے، خون بھی اکٹھا ہونے لگ گیا ہے، آدمیوں سے دستخط بھی لیے جا رہے ہیں۔

مگر ان ظالموں کو مسلمانوں سے کوئی ہمدردی نہیں، انسانیت سے کوئی دلچسپی نہیں، یہ آپ سے اہلِ فلسطین کی حمایت یا اسرائیل کی مخالفت میں دستخط لینے یا کچھ کہلوانے کے لیے آئیں تو آپ ان سے پوچھیں کہ آخر مظلوم اہلِ افغانستان کی حمایت اور روس کی مخالفت میں تین برس سے آپ لوگ کیوں گونگے بنے تھے؟ اس کے جواب میں یہ آئیں بائیں شائیں کر کے رہ جائیں گے۔

بیک وقت دو متضاد پالیسیوں کو اکٹھا کرنا کسی بھی نظریاتی گروہ کے لیے تباہ کن ہوتا ہے مگر سُرخ انقلابی دانشوروں نے دو مسلمان قوموں کے متعلق متضاد پالیسیوں کو اکٹھا کر دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے معنی ہوتے ہیں "بے اُصولی"۔

ان کا سارا زور یہ ہے کہ افغانستان کے مسئلے کو فلسطین کے مسئلے سے بالکل الگ کر لیا جائے، مگر ہم خدا پرستوں اور حق پرستوں کو ان کے ٹیڑھے طرزِ فکر سے آگاہ کر کے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ تمام تحریروں، تقریروں اور گفتگوؤں میں دونوں مسئلوں کو اکٹھا لیجیے اور دونوں سپر پاورز کو اکٹھا رگید دیجیے۔ یہ آپ سے تائید حاصل کرنا چاہیں .... تو مطالبہ کیجیے کہ ہماری پڑوسی اور برادر افغانستانی قوم کی مظلومیت پر بے حسی نہ دکھائی جائے اور دونوں طرف کی جارح قوتوں اور ان کے پشتیبانوں کی مذمت کی جائے۔

جملۂ معترضہ پورا ہوا۔

آج عبرت ناک مسئلہ یہ ہے کہ لبنان میں اتنا بڑا سانحہ گذر گیا، مگر عالمِ اسلام میں اِس سِرے سے اُس سرے تک سناٹا طاری ہے۔ کوئی زوردار آواز نہیں اُٹھی، کہیں بڑے احتجاجی مظاہرے نہیں ہوئے، کہیں جلوس نہیں نکلے، کہیں ہڑتالیں نہیں ہوئیں[1]۔ یوں معلوم ہوتا ہے

---

[1] عبرت ناک واقعہ ہے کہ حالیہ اسرائیلی جارحیت کے خلاف زیادہ سے زیادہ (باقی برصفحہ آئندہ)

جیسے ایک ارب آبادی اپنی چالیس پینتالیس سلطنتوں کے باوجود دشمن ہو کر رہ گئی ہے۔ آخر ایسا کیوں[1]؟

اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ہمارے پیارے مسلمانانِ گرامی قدر نے اسلام کو چھوڑ کر لادینیت، قومیت، وطنیت اور سوشلزم کے نظریے اپنا رکھے تھے۔ بعض ایسے ممالک میں جہاں برائے زینت دستور میں اسلام کا ذکر ہے یا معاشرے میں چند رسوم و تقاریب اسلامی نوعیت کی بھی جاری ہیں۔ وہاں بھی برسراقتدار گروہ یا کم سے کم ذہین طبقوں اور اُن کی لیڈرشپ نے مغرب پرستی یا اشتراکیت پسندی کی راہ اختیار کر رکھی ہے۔ حتیٰ کہ آج لبنان میں چھاپہ مار فلسطینیوں کی جو آبادی موجود تھی اس کی اکثریت دین سے بیگانہ ہو کر روس کو پیرمان چکی ہے۔ اسی وجہ سے یاسر عرفات جو متعدد بار ماسکو کا طواف کر چکے ہیں، آج ان کے اس قول میں حسرتِ ناکام کا رنگ جھلکتا ہے کہ کاش کہ روس نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

پُر زور احتجاج خود یہودیوں ہی نے کیا ہے۔ امریکہ اور یورپ میں بھی اور خود اسرائیل میں بھی۔ اس قوم کے حساس نوجوانوں نے اسرائیلی فوج کے ساتھ لبنان کی بہیمانہ کارروائی میں شرکت سے انکار کر دیا۔

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] ستم یہ کہ لبنان کے عیسائیوں (فلانجیوں) کی روش نے اس تجربہ قومیت کو اور بھی تلخ بنا دیا۔ پہلے تو لبنانی مسلمانوں کو مقامِ اکثریت سے گرانے کے لیے فلانجیوں نے لمبا دورِ خانہ جنگی گذارا اور خوب تباہی مچا کر ثابت کر دیا کہ عیسائی اور مسلمان ایک وطنی قوم نہیں بن سکتے۔ اِن حالات میں بھی فلسطینی چھاپہ ماروں اور پناہ گزینوں کا لبنانی عیسائیوں سے پڑا یارانہ تھا۔ مگر جب اسرائیلی فوج داخل ہوئی تو عیسائیوں نے بڑھ کر اس کا خیر مقدم کیا، تب فلسطینیوں کی آنکھیں کھلیں۔ دراصل امریکی اسرائیلی منصوبہ یہ ہے کہ یہودی ریاست کے پہلو میں ایک عیسائی ریاست بھی قائم ہو جائے تاکہ مغرب کا مسلم دشمن محاذ مشرقِ وسطیٰ میں مضبوط ہو جائے اور مسلمان حکومتوں اور قوموں کو دبانے کے لیے یہ دونوں "اڈے" استعمال ہوں۔ اِس حکمتِ عملی کے معنی یہ بھی ہیں کہ یہودی اور عیسائی مل کر مسلمانوں کے خلاف محاذ آرائی کریں۔

کچھ تو کیا ہوتا[1]۔

میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آج تمام کے تمام غیر اسلامی نظریات مسلم اقوام و افراد کے پاس ایسے بے معنی ہو گئے ہیں، جیسے کسی نے پستول تو لگا رکھا ہو مگر اس میں کوئی گولی موجود نہ ہو۔ آج کوئی نظریہ ایسا نہیں جو مسلمانوں کے سامنے کوئی راہ عمل کھولتا ہو یا جس کی وجہ سے دُنیا کی کوئی قوت ان کی سرپرستی یا حمایت پر تیار ہو۔

جتنا نظریاتی شوت ہماری قوموں اور خصوصاً فلسطینیوں نے کاتا تھا وہ جھیر جھیر ہوا پڑا ہے۔ عبرت کا ایک بہت بڑا سبق شام سے ملتا ہے۔ شام جو اتنا بڑھ بڑھ کے آگے آتا رہا ہے اور رُوسی پشت پناہی پر اعتماد کر کے لبنان میں مداخلت کیے ہوئے تھا۔ اس کا یہ حشر ہوا کہ پچھلی بار وہ جولان کی پہاڑیوں سے ہاتھ دھو بیٹھا، اور اس دفعہ وہ فلسطینیوں کی مدد تو کیا کرتا الٹا اپنے ہی رُوسی اسلحہ اور اپنی ہی سپاہ کو تباہ کرا لیا۔ آخر جس مُلک کا حال یہ ہو کہ ابھی چند ماہ پہلے وہ اندرونِ مُلک دس ہزار افراد کو جبر و تشدد سے ختم کر چکا ہو اور بیس ہزار افراد کو جیل میں ڈالے ہوئے ہو اُسے

---

[1] رُوسی حلقۂ اثر کی قوتوں نے یہ پروپیگنڈا پھیلا کر عربوں اور فلسطینیوں پر جادو کر رکھا تھا — کہ سوویٹ یونین ہی وہ واحد قوت ہے جو مشرقِ وسطیٰ اور دُنیا کے دوسرے حلقوں میں سامراجی عزائم کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ یہاں تک کہ عرب ملکوں اور تنظیم آزادیٔ فلسطین کے کچھ لیڈروں نے چند ہی مہینے پیشتر اپنے ایک اجلاس میں پورے جوشِ خوش فہمی کے سامنے یہ فیصلہ کیا کہ مشرقِ وسطیٰ میں امریکی اور اسرائیلی عزائم کو ناکام بنانے کے لیے سوویٹ یونین کے حلقۂ اثر و نفوذ کو وسیع تر کرنے کے لیے ہر قسم کی تدابیر اختیار کرنی چاہییں۔ ان فریب خوردہ عناصر کے دماغ رُوسی پروپیگنڈے میں اس طرح جکڑے گئے تھے کہ یہ لوگ افغانستان کے مجاہدین کے لیے ہمدردی کا کوئی کلمہ زبان پر نہ لا سکے محض اس خیال سے کہ اس طرح روس کی جارحانہ پالیسی کی مخالفت کا جرم سرزد ہو جائے گا۔ اور پھر وہ ہمارا نجات دہندہ نہ بن سکے گا۔ اب دیکھ لیجیے نجات دہندہ صاحب کا پارٹ۔ اب کہتے ہیں کہ عالمِ اسلام کیوں حرکت میں نہیں آتا۔ اسلام یا عالمِ اسلام کو کبھی آپ لوگوں نے دعوت بھی دی؟ ملی جذبے کو کبھی متحرک بھی کیا؟

اندرونی محاذ رخصت ہی کب دیتا ہے کہ وہ باہر کوئی مردانگی دکھا سکے۔

سناٹے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ برسوں کی محنتیں کھپا دی گئیں کہ اسلامی قومیت کے تصورات کو ذہنوں سے نکال کر علاقائی، لسانی یا وطنی قومیتیں پیدا کی جائیں۔ اور اُن کے لیے جذبات اُبھارے جائیں۔ قومیت کے اسی علاقائی و نسلی تصور پر چھاپہ مار فلسطینیوں اور ان کے عوام کو اُٹھایا گیا۔ یہ رشتہ تو کمزور ہو گیا کہ فلسطین پر مصیبت آئے تو ترکی یا مصر والے دوڑ پڑیں، اب تو ہر قوم کا اپنا اپنا محدود جذبۂ اجتماعیت ہے۔

آج مسلمانوں کو یہ تلخ تجربہ بھی درپیش ہے کہ مغربی فلسفۂ سیاست و اجتماع کا پیدا کردہ نیا تصورِ قومیت اُن کے لیے مفید ثابت نہیں ہوا۔

محدود قومیتوں کے خبط کی وجہ سے اتحادِ اسلامی کو بیدار کرنے کے لیے۔۔۔۔کما حقہٗ توجہ نہ دی جا سکی۔ کانفرنسیں اور اجتماعات ضرور ہوتے رہے مگر بغیر کسی ایسے مؤثر منصوبے کے جو پوری ملّتِ اسلامیہ کو ایک کر سکے۔ آج اگر اس نہج پر کام ہوا ہوتا تو مصر دوسری عرب اقوام سے الگ نہ ہوتا۔ شام اور عراق میں اختلافات نہ ہوتے، ایران اور عراق کے درمیان ایسے نازک مرحلے میں جنگ نہ ہوتی۔ اور اگر چھڑ گئی تھی تو افہام و تفہیم سے بند کرا دی جا سکتی۔

اس اتحاد میں رکاوٹ یہ امر بھی ہے کہ مختلف بادشاہتیں اور آمریتیں اور نیم جمہوریتیں جس طبقے کے چلائے چل رہی ہیں اُن میں سے ہر ایک کو عالمِ اسلام کیا، خود اپنی قوم سے بھی اپنا مفاد زیادہ عزیز ہے۔ اس کے لیے کسی نے رُوس کی دوستی و سرپرستی حاصل کر رکھی ہے اور کسی نے مغرب پسند بن کر امریکہ کو اپنا پشتیبان بنا رکھا ہے۔

اب جب کہ عملاً روس اور امریکہ دونوں قوتیں میدان میں مسلمانوں کے خلاف کام کر رہی ہیں ان میں سے کوئی بھی نہیں جو مسلمانوں کے حقوق اور اُن کے مسائل کا لحاظ کرے (باقی بر صفحہ ۵۰)